Lesson 1: Yunus (Ayaat 1- 20): Day 2 سُوۡرَةُ یُونس کی تفسیر

تعارف:

- سورۃ یونس ترتیب کے اعتبار سے دسویں نمبر کی سورۃ ہے۔
- 11 رکوع ہیں۔
- 109 آیات ہیں۔
- 1832 کلمات ہیں۔
- اور 9099 حروف ہیں۔
- سورۃ کا نام حضرت یونس جو کہ ایک نبی تھے، اُن کے نام پہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کی اس میں صرف حضرت یونس کی ہی کہانی ملتی ہے، جیسے کسی English کے essay کی طرح کہ اس میں جو مضمون ہوتا ہے پھر سارا topic اُسی پر گھومتا ہے، جیسے ہم پیچھے دیکھ چکے کہ سورتوں کے نام ان کے اندر unusual topics پر بھی ہوتے ہیں، اور بعض دفعہ simbolically بھی رکھے جاتے ہیں۔ قومِ یونس کی خوبی ہے کہ ان کے اوپر آیا ہوا عذاب ٹل گیا تھا۔
- ۔اس کے علاوہ کسی اور قوم کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ اسی بات کا ذکر اس سورۃ میں آیا ہے تو ہو سکتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام "یونس" رکھا گیا ہو۔
- تھوڑی سے بات اس کے مزاج پہ کریں گے، کہ یہاں آپکو سورۃ توبہ سے بالکل مختلف مزاج ملے گا۔ سورۃ توبہ میں احکامات بھی تھے، جدال بھی، قتال بھی اور کچھ ایسی آیات بھی تھیں کہ

جن کو پڑھنے کے بعد انسان اپنا محاسبہ کرنے والا بنتا ہے۔ مدنی سورتوں میں عموماً احکامات ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس مکی سورتوں میں عموماً "ایمانِ ثلاثہ" پہ بات ہوتی ہے۔

- 3 قسم کے ایمان
  - ایمان باللہ
  - ایمان بالرسل
  - ایمان بالآخرہ
- جب مکی سورتوں کی بانٹ ہوتی ہے تو ان میں پھر یہ تینوں مزاج فرق ہوتے ہیں۔ کسی ایک سورۃ میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی توحید پہ بہت بات ملتی ہے، جیسے آگے ہم "سورۃ فاطر" پڑھیں گے تو اس میں ہمیں توحید کا بہت ذکر ملے گا۔ کچھ سورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں آخرت کی بہت بات ہوتی ہے مثلاً "سورۃ قیامت"۔ پوری سورۃ کا topic ہی قیامت ہے۔ تیسویں پارے کی چھوٹی سورتیں اس میں بہت اہم ہیں۔ اسی طرح "سورۃ یونس" کا بنیادی عنوان "ایمان بالرسل" ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی بہت بات ہو گی، اور رسول کیوں آتا ہے، اس کا مقصد کیا ہے، اور رسول کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو قوموں کو پیغام دیتے ہیں، اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔
- رسولوں نے جن کاموں پر خوش خبریاں سُنائیں، ان کا بہت تذکرہ آتا ہے اور یہی اصل میں وہ force ہوتی ہے جو انسان کو کام کرنے پہ مائل کرتی ہے۔ اس سورۃ میں کچھ شبہات تھے ان کا بھی ازالہ کیا گیا۔ مثلاً مکہ والوں کو ایک شبہ یہ تھا کہ اللہ کی ذات کیسے ایک ہو سکتی ہے، جبکہ ہم نے بہت سارے خُدا بنائے ہوئے ہیں، کوئی عزت کی دیوی، کوئی دولت کی کوئی محبت کی، کوئی

مال کی۔ تو ہم ان سب کو چھوڑ کے ایک خُدا کی بات کریں۔ اسی شبہ کا کافی سارا ازالہ اس سورۃ میں ہے کہ اللہ وہ ہے جسے تم سمندروں میں بھی پُکارتے ہو تو وہ آ جاتا ہے۔ پھر تم ان خداؤں کو کیوں پوج رہے ہو کہ جو سمندروں میں تمھاری مدد نہیں کر پاتے۔

- ایک دوسرا شبہ جو مکہ والوں کو تھا وہ نبی کریم ﷺ کی ذات کے بارے میں تھا۔ کہ آپؐ انسان ہیں کہ فرشتہ یا پھر انسان ہیں یا نور سے بنے ہیں۔ اس کا بھی ازالہ ہم اس سورۃ میں دیکھیں گے جو کہ بہت خوبصورت طریقے سے کیا گیا۔
- تیسرا شبہ یہ تھا قرآن پاک اللہ کا کلام ہے یا نہیں۔ وہ قرآن پاک کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تھے۔ کہتے تھے اللہ کے نبی ﷺ خود لے آتے ہیں اور اپنے پاس سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ بڑی خوبصورت آیت جو "نورالقرآن" کے theme کی بھی ہے قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۷﴾ اسی سورۃ میں ہے کہ "قرآن دل کی بہار ہے"۔ اصل میں یہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے تحفے کی صورت میں دی اور پھر اس پر عمل کرتے ہوئے لوگ اپنی زندگیوں کو بہتر کرتے ہیں۔
- چوتھا اعتراض مکہ والوں کو یہ تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ کیسے جیئیں گے تو اس کا بھی ازالہ اس سورۃ میں موجود ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو تم کس طرح اس دنیا میں کھوئے ہوئے ہو تو ایک دم موت کا فرشتہ آئے گا اور تمہیں لے کر چلا جائے گا۔ پھر اس سورۃ کے بلکل آخر میں دو بڑی اہم چیزیں بیان ہوں گی، ایک تو اس میں وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ۚ focus

ہونے کی بات ہے کہ دشمن آپ ﷺ کے بارے میں جو باتیں کرتے ہیں، جو کہانیاں گھڑتے ہیں، کہنے دیجیئے، بس کام کرتے جایئے۔ اگر آپؐ حق پہ ہیں تو اللہ تعالیٰ خود بخود آپ کی مدد کرے گا۔ اور ہر داعیِ دین کو بھی عمل کی بات مل جاتی ہے کہ لوگوں کی باتوں سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھوں میں دے دیں

دوسری بات جو سورۃ کے آخر میں آئے گی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آگے کوئی روڑے نہیں اٹکا سکتا۔ اللہ نے جس کو جو نعمت دینی ہوتی ہے وہ دے کے رہتا ہے۔ نبیؐ کو دینی تھی دے دی۔ وہ deserve کرتے تھے۔ مکہ والوں نے راستے روکے، مدینہ والوں نے مخالفتیں کیں، سازشوں کے جال پھیلائے لیکن حق ہو گیا۔ آخری بات جو سورۃ کے تعارف میں کہوں گی کہ اگر آپ اپنے قرآنِ پاک میں دیکھیں تو اس سورۃ کے ساتھ ہی آپکو منزل نمبر 3 کا لفظ دکھائی دے گا۔

لفظ منزل پہ تھوڑی سی بات کر لیتے ہیں کہ سورۃ توبہ پہ دوسری منزل پوری ہوتی ہے اور سورۃ یونس سے پھر تیسری منزل شروع ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں عموماً سات منزلیں ہیں۔ عربی زبان میں اسے "حزِ" کہتے ہیں۔ حزِ ٹکڑے کو کہتے ہیں ۔ یہ کیا ہے؟ اس کے بارے میں جو سب سے زیادہ مستند چیز ہمیں ملتی ہے وہ یہ کہ یہ صحابہ اکرام کی وہ بانٹ تھی جو وہ ایک دن میں پڑھتے۔ قرآن پاک کا جتنا حصہ وہ ایک دن میں پڑھتے، اسے ایک منزل کہتے تھے۔ اور اسی طرح پورا قرآن پاک سات دنوں میں پڑھ لیتے۔ پھر سات دنوں کے بعد دوبارہ شروع کر دیتے۔ تو اُس حصے کو "حزف" کہتے تھے۔

یہاں ایک لمحہ کو سوچیں، قرآن پاک کا دو دن میں سورۃ توبہ تک پڑھنا، کہ صحابہؓ اتنا قرآن کیوں پڑھتے تھے؟

آج ہم بھی قرآن پڑھنے آئے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں, کہ ایک دن آجائیں، ایک دن دوستوں سے notes لے لیں تو بات نہیں بنے گی۔ سورۃ یونس شروع کرنے سے پہلے ہی تھوڑی سی اس معاملے میں آپ کی مدد کر دوں کہ یہ ہم جو ہر روز قرآن پڑھنے آتے ہیں تو یہ ہم صرف علم لینے نہیں آتے۔ علم تو بعد میں بھی مل جائے گا۔ ہم کسی چیز کے لیئے جتنی effort کرتے ہیں اُتنا اجر بھی ملتا ہے۔ قرآن پاک کی مثال اس بات سے لے سکتے ہیں کہ قرآن ایمان کا سرچشمہ ہے۔ قرآن سے ایمان ملتا ہے۔ ایمان وہ petrol ہے جس سے عمل صالح کرنے آسان لگتے ہیں۔ صراطِ مستقیم پہ چلنے والے کو قرآنِ پاک سے پٹرول لینے کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اسکو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔ آپ محسوس کریں کہ 3 لوگ ہیں، تینوں کے پاس گاڑیاں ہیں۔ اب یہ تینوں پٹرول پمپ پہ آگئے اور اپنی گاڑیوں کی ٹینکی full کروالی اور پھر بچھڑ گئے۔ ایک ماہ بعد تینوں کی دوبارہ ملاقات ہوئی، ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ بھئی سناؤ وہ جو ہم نے پٹرول ڈلوایا پھر اس کے بعد کیا ہوا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے اُس کے بعد تین دفعہ ٹینکی full کروائی، دوسرا کہتا ہے اچھا! میں نے تو صرف ایک دفعہ دوبارہ پٹرول ڈالا، تیسرا کہتا ہے کہ میں نے تو جو آپ لوگوں کے ساتھ ڈلوایا ابھی تک وہی استعمال کر رہا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ ایک کو 3 دفعہ، دوسرے کہ 1 دفعہ اور تیسرے کو دوبارہ ضرورت نہیں پڑی۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ جس نے گاڑی زیادہ استعمال کی اسے پٹرول کی زیادہ ضرورت پڑی۔ اس کی مثال اپنے کلاس روم پر لیجیئے، آپ اس کمرے میں قرآن کی تعلیم لینے آئے۔ یہ ایک پٹرول پمپ ہے، ہم سب یہاں سے اپنے ایمان کی گاڑیوں میں پٹرول ڈلواتے ہیں، جو لوگ اپنی زندگی میں تیزی سے عمل صالح کرتے ہیں عمل کرتے ہیں تو ان کا پٹرول جلدی ختم ہو جاتا ہے تو پھر اُنہیں یہاں دوبارہ آنا پڑتا ہے، بار بار آنا پڑتا ہے۔

قرآنِ پاک کے ساتھ صحابہ کا تعلق اس طرح کا تھا کہ ہر وقت دوڑنا ہے، کام، کام، کام۔ آج جہاد ہے، کل ہجرت ہے، کہیں کوئی کام، کہیں کوئی کام۔ جو اپنا پٹرول پورا کرلیتا اس کا دل کرتا پھر قرآن دوبارہ سُنوں۔ وہ پھر آتا ہے، پھر سُنتا ہے، پھر سیکھتا ہے۔ اسی طرح پورا saturated ہوتا ہے۔ جب ہم قرآن کی کلاس سے جاتے ہیں تو ہماری ٹینکیاں full ہو چکی ہوتی ہیں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہم full ہو چکے ہیں، بھوک، پیاس سب ختم۔ پھر اپنی زندگی میں عمل کرتے ہیں، چیزوں کو جاننے لگتے ہیں تو لگتا ہے اب کچھ پٹرول کم ہو رہا ہے تو پھر دوبارہ قرآن کی طرف آتے ہیں، پھر قرآن، بار بار قرآن کو سُنتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمارے لیے یہ خوبصورت filling station رکھا ہے۔ جب ہم اس سے تعلق توڑ لیتے ہیں، یا صرف دوسروں سے نوٹس لینے پر اکتفا کر لیتے ہیں تو ایمان نہیں ملتا۔ جو انسان یہ چاہتا ہے کہ میں کل صراطِ مستقیم پر اتنی تیزی سے دوڑوں کہ "السابقونَ الاوّلون" میں شامل ہو جاوں، اور میں علم کے درجے سے اوپر اُٹھ کے "تفکر فی الدّین" کے درجے پہ جاوں تو اُس کو اس علم کے پٹرول کو زیادہ سے زیادہ اپنے اندر لینا ہے، اور تعلق نہیں توڑیں۔ آپ سوچیں کہ ایک دفعہ گاڑی فُل کروالی تھی اب دوبارہ کیا ضرورت ہے، تو ایسا نہیں کرنا۔ ہم انسانوں میں مختلف قسم کے لوگ دیکھتے ہیں۔ کچھ کو علم کا جنون ہے۔ ان کا دل صرف قرآن میں لگتا ہے، گھر میں ہیں تو قرآن سے تعلق ہے باہر ہیں تو قرآن سے تعلق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان کے پٹرول کو جلدی سے ختم کر لیتے ہیں، پھر دوبارہ بھرواتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں کہ بچپن میں آمین ہوئی تھی اور پھر "آمین" ہی ہو گئی۔ وجہ یہ ہے کہ ایمان کے پٹرول کو استعمال ہی نہیں کیا۔ کچھ رمضان کے رمضان پٹرول بھرواتے ہیں، کہ ایک دفعہ

پورا قرآن پڑھا اور پھر دُعا۔ کچھ لوگوں کا قرآن کی محفلوں میں اس لیئے دل نہیں لگتا کہ ابھی طلب ہی نہیں آئی, جیسے کھانا کھاتے ہیں تو جب تک پہلا ہضم نہ ہو, اگلا کھانے کو دل نہیں چاہتا، تو کبھی کسی کو قرآن کی دعوت دیں تو پہلے اُنکی بھوک بڑھائیں۔ دیکھیں کہ وہ کام کیا کر رہے ہیں۔ یاد رکھیئے دنیا بڑی ظالم ہے۔ ایک جال پھنسا ہوا ہے، مال جتنا ہو گا، اور چاہیئے، تعلیم جتنی ہے اُس سے اور چاہئیے۔ دنیا کی ہر چیز ہمیں اور چاہیئے لیکن جو چیز ہمیں سب سے سستی لگتی ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ تو یہاں ہم ایک بڑی پیاری سی سورۃ بڑی محبت سے شروع کرتے ہیں۔

مکی سورتیں اب یہاں سے آگے چلیں گی۔ اور بہت ہی لطیف سا نقطہ نوٹ کر لیجیئے اور وہ یہ کی یہاں سے سورتوں کا وہ مجموعہ شروع ہو رہا ہے جن کے نام انبیاا کرام پہ ہیں۔ سورۃ یونس، سورۃ ھود، سورۃ یوسف، سورۃ ابراہیم۔ تو جن سے پیار ہوتا ہے انکے نام پہ کچھ چیزیں تو رکھی ہوتی ہیں۔ ایک بات اور نوٹ کر لیجیئے کہ یہ سورۃ، سورۃ بنی اسرائیل کا بعد نازل ہوئی تھی۔ کہیں نہ کہیں آپکو مضمون کی مماثلت ملے گی۔ پھر اس سورۃ میں قضاء اور قدر پہ بات ہوئی ہے۔ تقدیر کے بارے مین قرآن پاک کی سب سے معروف آیت بھی اسی سورۃ میں آتی ہے۔ یہ "سبا طوال" سورتوں میں سے ہے۔ یعنی سات طویل سورتوں میں سے یہ بھی ایک سورۃ ہے۔ شروع کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"الٓرٰ" حروف معطقات ہیں اور ہم اس پر پیچھے بات کر چکے ہیں۔ مکی سورتوں کی پہچان ہے کہ اُنکے شروع میں حروفِ مقطعات ہوتے ہیں۔ سب سے کم مجموعہ ایک لفظ کا ہوتا ہے جیسے "ق" لیکن یہاں تین کا مجموعہ ہے اور تین کے مجموعے سے جو سورتیں شروع ہوتی ہیں اُن میں "الم"، "حم"، اور

"عسق" وغیرہ ہیں۔ اس طرح سے یہ مختلف combinations ہوتے ہیں۔ یہاں ہم تھوڑا سا سورۃ توبہ کا سورۃ یونس سے تقابل کریں گے۔

بظاہر "عنوان" بالکل بدل رہا ہے۔ آپ سورۃ کو بہت ہلکا محسوس کریں گے لیکن آپ دیکھیں گے کہ پچھلی سورۃ میں مقاصد بیان ہوئے تھے کہ کفار، منافقین کے ساتھ جہاد، کفر اور شرک کی طاقت کو مادی اسباب کے ذریعے سے توڑنے کا بیان تھا۔ اب اس سورۃ میں مکی دور میں رہتے ہوئے دلائل اور شواہد کی بنیاد پر کفار اور منافقین کو قائل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آسان لفظوں میں بیان کیا جائے تو سورۃ توبہ میں ہم نے ظاہری قتال کی بات کی کہ اُنکی طاقت کو توڑو۔ ہتھیاروں کے ذریعے یا کسی بھی طرح سے، لیکن اس سورۃ میں آپ اتنی زیادہ نشانیاں دیکھیں گے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو نہیں مانتے تو اب ماننا پڑے گا کیونکہ اللہ نے اس میں اپنی رحمت کی بہت ساری باتیں کی ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ کبھی لوگوں کو ایک طرح سے آگاہ کرتے ہیں تو کبھی دوسری طرح سے۔ ایسا لگتا ہے کی جب ہم ذہنی طور پر تھک چُکے ہوتے ہیں یا بھاری تفاصیل یاد رکھنی ہیں تو ایک مکّی سورۃ آجاتی ہے، پھر جب ہم ہلکی پھلکی چیز لینا چاہتے ہیں تو مدنی سورتیں آجاتی ہیں۔ اس سورۃ کے اندر تین آیتیں مدنی بھی ہیں، جہاں آئیں گی وہاں آپکو انشاءاللہ بتایا جائے گا۔

"الٓر" حروفِ مقطعات ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱

یہ کتابِ حکیم کی آیتیں ہیں۔

قرآن پاک کا تعارف

مکی سورتوں کی ایک یہ بھی پہچان ہے کہ اُنکے شروع میں قرآن پاک کا تذکرہ ہوتا ہے یا اللہ کی کسی صِفت کی بات ہوتی ہے۔ یہاں پہلے "تِلْكَ" آیا ہے۔ اس پہ پہلے بات ہو چکی ہے کہ یہ اشارہ کے لئے آتا ہے۔ اس میں اس سورت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جب بھی کسی سورۃ کے شروع میں لفظ "آیت" یا "سورۃ" آئے تو اُس سورۃ کی آیتوں پر خاص طور پہ اور قرآن پاک پہ عام طور پہ توجہ دلائی جاتی ہے۔ لفظ "الکتاب" قرآن پاک کے ناموں میں سے ہے، اور "حکیم" قرآن پاک کی صفت ہے۔

اُردو زبان میں ہم اس سے ملتا جُلتا لفظ سُنتے ہیں مثلاً حکومت، حکم، حاکم، محکم، حکمت۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سارے لفظ قرآن پاک کے مقاصد ہیں۔ یہ قرآن حکومت کرنے بھی آیا ہے۔ یہ قرآن حکم دینے کے لئے بھی آیا۔ یہ کلام حاکم کا حکم ہے۔ یہ شاہی فرمان ہے۔ اسکے احکامات محکم ہیں۔ کوئی انکو آج تک غلط ثابت نہیں کر سکا۔ اس کلام کے اندر حکمتیں بھری ہوئی ہیں۔ اردو میں "حکیم" ہم طبیب کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ "قرآن" حکیم بھی ہے۔ "قرآن" علاج بھی کرتا ہے۔ آگے آیت آئے گی تو پڑھیں گے کہ " وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ "۔

وہاں آپ یہ مثال یاد رکھ سکتے ہیں جو میں ابھی آپ کے ساتھ share کرنے والی ہوں کہ قرآنِ پاک کو یہاں حکیم کہا گیا کہ یہ کتاب انسان کا علاج کرتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن پاک کی جہاں بھی بات آتی ہے تو بیماری یا مرض، شفاء کا لفظ آتا ہے۔ کبھی بھی پریشانی یا اُلجھنوں کا لفظ نہیں آتا۔ جب ہم لفظ استعمال کرتے ہیں کہ ہر بیماری کا علاج ہے۔ ہر پریشانی کا حل ہے تو لوگ کہتے ہیں "کہاں لکھا ہے ہمیں دکھائیں"۔ اس میں بیماری کا علاج کہاں لکھا ہے۔ ہماری بہت سی پریشانیاں ہیں۔ مثلاً کسی کا بچہ

گھر سے بھاگ گیا، تو ہمیں بتائیں کہ قرآن کی کونسی آیت اس مسئلے کو حل کرتی ہے۔ پھر اسی طرح کی اور باتیں بھی۔

تیسرا نقطہ نوٹ کرنے کا یہ ہے کہ ایک چیز ہوتی ہے "بیماری" اور ایک ہوتی ہے "problem"۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔ بیماری کیا ہے؟ کہ بیمار خود کو بیمار سمجھے، پھر دوا کھانے کے لئے تیار بھی ہو۔ کوئی ڈاکٹر کے پاس لے بھی جائے تو بیمار اُس وقت تک ٹھیک نہیں ہوتا جب تک خود دوا کھانے کو تیار نہ ہو۔ آپکو کوئی بھی مسئلہ ہے۔ بجلی کا بل جمع کروانا ہے، یہاں سے کہیں اور جانا ہے، کوئی دوسرا آپکی مدد کر دے گا۔

مسئلہ کو حل کرنے میں کوئی involve نہ بھی ہو تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے لیکن "بیمار" کی بیماری تب ٹھیک ہوتی ہے جب بیمار خود بھی علاج کروانا چاہے۔ یہی حال "قرآن" کا ہے۔ یہ قرآن اُنہی لوگوں کا علاج کرتا ہے جو اس سے علاج کروانا چاہتے ہیں۔ جو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ آپ کسی کو زبردستی پکڑ کے اسکی طرف لے بھی آئیں تو وہ موقع پاتے ہی بھاگ جائے گا۔ کوئی مروت میں ایک دفعہ تو آئے گا لیکن دوبارہ نہیں آئے گا۔

آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ آپ کے رشتہ دار، بچیاں اس قرآن کی کلاس میں آئیں لیکن وہ نہیں آتے۔ یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ "قرآن" حکیم بھی ہے۔ یہ انسان کی طبیعت کے مطابق اُس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ آپ 4 گھنٹوں میں بھی نہیں تھکتے لیکن کوئی ایک گھنٹے میں ہی تھک جائے گا۔ کیوں کہ حکیم کو پتہ ہے کس کا کیا حال ہے اور کس کو کتنی مقدار میں دوا دینی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اتنی پیاری حکمت والی کتاب ہمیں دی۔ اس کے احکامات واضع ہیں۔ حلال و حرام واضع ہے۔ یہ کتاب لوگوں کے درمیاں اختلاف کے فیصلے کروانے والی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف والے سارے معاملے ذکر کیئے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ آج اُمتِ مسلمہ اس کتاب سے دور ہونے کی وجہ سے خس و خاشاک کی طرح بکھری ہوئی ہے۔ جب انسان کا تعلق اس کتاب کے ساتھ گہرا ہو گا تبھی اُسے وہ حکمتیں ملیں گی جو دُشمنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں انسان کی مدد کرتی ہیں۔

کس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں اُمتوں کے عروج کی باتیں کی ہیں لیکن آج اس کتاب کو چھوڑ کر اُمتِ مسلمہ زوال کا شکار ہے۔ اسی بات کو ایک شعر میں اس طرح کہا گیا ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر۔ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

آج حکمتوں والی کتاب ہماری زندگیوں سے نکل گئی، تو ہمیں حکمت نہ آئی۔ نہ گھر والوں کو خوش رکھ سکے نہ باہر والوں کو۔ فرمایا'' اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا '' کیا لوگوں کے لیئے یہ بات بڑی تعجب والی ہوئی، کیا لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی، عجب لگا۔ کیا؟

اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ

(ہم نے وحی کر دی اُن میں سے ایک شخص پر) یعنی لوگوں کو یہ بات بڑی عجیب لگی کہ ہم نے اُنہی میں سے ایک شخص پر ''وحی'' کر دی۔ یہی وہ ''حیرت'' تھی جو اُس دور کے لوگوں کو اللہ کے نبیؐ کے بارے

میں تھی اور آج بھی ہے۔ یہ حیرت صرف اُنہی کی دور ہوتی ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ھدائیت دے دے، ورنہ لوگ اللہ کے نبیوں کے بارے میں حیرت کا شکار رہتے ہیں۔

کس بات کی حیرت تھی یا یہ کہ نبی کیوں آئے؟

1۔ لوگوں کو ڈرایئے

2۔ اور ایمان والوں کو خوشخبری دیجیئے

اس کی تفسیر کرنے سے کیا بات پتہ چلی کہ اللہ کے نبیؐ نے لوگوں کو "انزار" شروع کیا۔

"وَانزاراتک اشیر اتک۔۔۔۔۔ کی آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ نے رشتہ داروں کو جمع کیا، تو آپؐ کے رشتہ داروں کو حیرت ہوئی کہ اس دُنیا کے بعد ایک نئی دُنیا آئے گی۔ تو یہ پیغام اُنہیں بڑا عجب لگا۔ اسی لئے نبی کریمؐ نے کہا" کہ دین غربت سے یعنی اجنبیت سے شروع ہوا تھا اور ایک وقت آئے گا کہ یہ دوبارہ اجنبی ہو جائے گا"۔

لوگوں کو شروع میں یہ بات بڑی عجیب لگی تھی کہ سارے بڑے، بزرگوں کی باتوں اور طریقوں کو چھوڑ کر ایک بات اور ایک طریقہ پر آجائیں۔ آج بھی جب لوگوں کے پاس قرآن آتا ہے تو جو چیز اُنہیں سب سے زیادہ عجیب لگتی ہے وہ اس کا "نذیر" اور "بشیر" ہونا ہے۔

اللہ کے نبیؐ اگر لوگوں کو یہ کہتے کہ آؤ لوگو، مجھ سے دَم درود کروالو۔ آؤ میں تمہیں جادو کرنا سکھاتا ہوں، آوؤ میں تمہیں بتاؤں کہ بگڑے ہوئے بچوں کو کیسے صحیح کرتے ہیں تو کیا کسی کو تعجب ہوتا۔ جب

آپ ایسی چیزیں سُنتے سُناتے، پڑھتے پڑھاتے ہیں تو کسی کو کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ دین کے نام پہ جو vision ہمیں اپنے اِردگِرد دکھائی دیتا ہے وہ اسی قسم کی باتوں پر مبنی ہوتا ہے۔

لوگوں کو آج بھی یہ دعوت بڑی عجیب لگ رہی ہے کہ قرآن کے ایک ایک لفظ کو کھول کھول کے پڑھیں، ایک ایک چیز کو سمجھ کے پڑھیں۔ جب بھی قوموں پر زوال آتا ہے تو اُنکو نبیوں کا سب سے زیادہ یہ کردار عجیب لگتا ہے کہ "لو اب ہم اپنی زندگیاں قرآن کے لیئے لگا دیں"۔ لوگوں کی بُرائیاں کرنا چھوڑ دیں۔

اگر آج بھی ہم دیکھیں کہ لوگوں کو قرآن پڑتے پڑھاتے جو recation دِکھتا ہے، گھر والوں کی طرف سے یا خاندان والوں کی طرف سے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُنکو سمجھ نہیں آتا کہ آپ کیا کرنے گئے ہیں۔ اسکی ضرورت کیا ہے؟ اسکی مثال ایسے ہے کہ ایک بچہ ڈاکٹر بننے کے لیئے کافی عرصہ سے صبح سے شام گھر سے پڑھنے جاتا ہے۔ گھر میں ایک بوڑھی دادی بھی تھی۔ وہ ہر روز اسے صبح شام آتا جاتا دیکھتی تھی۔ ایک دن وہ تنگ آ کے کہنے لگی کہ تم ایک عرصہ سے صُبح گئے شام لوٹتے ہو۔ "کب ڈاکٹر بنو گے"۔ بس اب چھوڑ دو اور گھر بیٹھو۔ بالکل اسی طرح جب کوئی قرآن سیکھنے لگتا ہے تو اس کا ہر وقت قرآن میں لگتا ہے۔ کہیں لفظی ترجمہ ہے، کہیں روٹ ورڈز ہیں تو کہیں گرائمر ہے۔

تو لوگ بھی حیران ہوتے ہیں اور خاص طور پر جب انہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اب ہماری باتوں پر تنقید ہو رہی ہے، تو کہتے ہیں کہ ایک تو ہم تمہارے ساتھ قربانیاں دے رہے ہیں اور دوسرا تم ہمارا ہی جینا دو بھر کر رہی ہو۔ تمھیں اب ہمارے اندر کوئی بھی چیز ٹھیک نہیں دِکھ رہی۔

قرآن کی عام باتیں لوگوں کو بڑی پیاری لگتی ہیں۔ آپ ایک محفل سجائیں، اُس میں سب بیٹھ کے قرآن پڑھیں، پھر باتیں کریں، کھائیں پیئیں، اچھا لگتا ہے لیکن قرآن کی خوشخبریاں سُنانا اور اُسکی ڈرانے کی کیفیت لوگوں کو بڑی عجیب لگتی ہے۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہتے ہیں کہ "آہ" یہ ایک استفہام ہوتا ہے۔ اس میں ایک سوال ہوتا ہے "کہ کیا حیرت ہے؟" لیکن یہ سوال انکار کے لیے ہے۔ جیسے ہماری زبان میں سوالیہ نشان؟ کئی معنوں میں آتا ہے، جیسے آپ میں سے اگر کوئی بیٹھا بات کر رہا ہو اور آپ کہیں کہ "آپ کا ارادہ کیا ہے؟ تو یہ ایک سوال ہے لیکن یہ تعجب کی بات ہو رہی ہے کہ آپ نے کیسی بات کی؟ کیا چاہتی ہیں آپ؟ تو یہ tone بدل جاتی ہے۔ تو یہاں tone "نہیں" والی ہے کہ تمہیں تعجب ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کو بات کرنے میں کوئی شرمندگی نہیں کہ اس نے ایک رسول بھیجا جو انسانوں میں ہی آیا اور تم لوگوں کو وہ سیدھی بات بتا رہا ہے لیکن لوگ سُننا نہیں چاہتے۔

جن کے اندر بہت انا ہوتی ہے، اپنا life style چاہیئے، ایک سیدھ میں زندگی کی گاڑی چل رہی ہوتی ہے اس میں پانچ وقت کی نماز بھی ہمیں نہیں سُدھارتی، سال کے تیس روزے بھی ہمیں نہیں سُدھارتے، دین بس ایک طرف پڑا ہے۔ اسکو اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا والی کیفیت بتائی جاتی ہے تو اُس وقت وہ بہت حیران ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانیں گے، ہم بدلیں، کیا میں عمل کروں؟ اپنے آپ کو proud محسوس کرتے ہیں۔ اللہ کے نبی کے ذریعے جو پیغام آیا تھا وہ کوئی ہلکا پیغام نہیں تھا۔ مولانا حالی نے اسکا نقشہ کھینچا ہے کہ

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ھادی۔ عرب کی سرزمیں جس نے ہلا دی!

ایک دفعہ تو تہلکہ مچتا ہے۔ پھر سوسائٹی میں قرآن آئے گا، سچا قرآن۔ آپ کہیں گے کس کے پاس قرآن نہیں ہے لیکن "حق" کا پیغام جس سوسائٹی میں آئے گا ایک دفعہ بنیادیں ہلیں گی۔ وہ لوگ جو نفس پرستی میں ڈوب چکے ہوتے ہیں، اُن کے ضمیر تک مُردہ ہو چکے ہوتے ہیں، جو غفلت سے سوئے ہوتے ہیں، جب اُن کو اُٹھایا جائے تو وہ ہڑبڑا کے اُٹھتے ہیں کہ یہ کیا ہوا ہے؟

آپ اُنہیں نماز پڑھنے کا کہیں تو اُن کو غصہ آئے گا۔ آپ تصور کریں کہ کچھ لوگ کسی جگہ مست ہیں۔ ناچ گانا، شراب چل رہی ہے۔ سب دُھت ہیں۔ اتنے میں باہر سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے، لوگو، لوگو طوفان آرہا ہے۔ اُسکی بات سُنتے ہی لوگ دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ کچھ جو بہت drunk ہو چکے ہوں گے اُسکا مذاق اُڑائیں گے کہ اچھا جی کونسا طوفان، کب آئے گا، اچھا! مزا آئے گا۔ تھوڑے سے ایسے ہوں گے جنکا نشہ ابھی کم ہو گا۔ وہ حیرت سے کہیں گے اچھا! کہاں ہے، کدھر ہے، اب کیا کریں، کیسے بھاگیں۔ اس طوفان سے بچنے کے کوشش کریں گے۔

اسی طرح اللہ کے نبیؐ آئے اور لوگوں کو بتایا کی دیکھو! (سورۃ الانبیاء)

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۞ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ

۞ قیامت قریب آرہی ہے تو کچھ لوگ جو نشے میں تھے، خواہشات کے نشے، آباپرستی کے نشے، اُنہوں نے اللہ کے نبیؐ کی کردارکشی شروع کر دی۔ یہ ایک اور reaction ہوتا ہے۔ جو ماننا نہیں چاہتا وہ یہ کبھی نہیں کہتا کہ میں نہیں مانوں گا۔ وہ کہتا ہے آپ نے ٹھیک بات نہیں کہی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس لیئے نماز نہیں پڑھتی کہ آپ مجھے بڑے غُصے سے کہتی ہیں۔ آپ مجھ پر تنقید کرتی ہیں اسلیئے میں نہیں اُٹھوں گی۔ ایسے لوگ دوسرے کے سر پہ تلوار رکھ کے جینا چاہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے نبیؐ پر

ہر دور میں لوگوں نے یہی بات رکھی کہ کوئی فرشتہ کیوں نہ اُترا۔ کوئی اور ہوتا۔ آپ تصور کریں کہ انکا مطالبہ کہ نبیؐ انسان کیوں ہیں تو اگر نبی فرشتہ ہوتا تو کسی کو دِکھائی نہ دیتا۔ کوئی جن ہوتا۔ ہمارے لیئے نبوت کی باتوں کو سُننا اتنا uptodate نہیں ہے لیکن تصور کیجیئے کہ آپ یہاں پڑھنے آرہے ہیں۔ میں بھی انسان ہوں، آپ بھی انسان ہیں، تو یہ کیا بُری بات ہے؟ آپ پڑھنے آئیں اور میری جگہ آپکو کوئی جِن پڑھا رہا ہو تو آپکو اچھا نہیں لگے گا۔ کیا کسی جانور سے آپ پڑھنا چاھیں گے؟ سوچیں! یہ نہ ماننے کے بہانے ہیں۔ آج بھی اگر آپ کسی کو قرآن پڑھنے کے لیئے بُلائیں اور وہ نہ آئیں تو فوراً سمجھ جائیں کہ ابھی بھوک نہیں لگی۔ ابھی پہلا پٹرول گاڑی میں بھرا ہوا ہے۔ تو نتیجہ کیا نکلتا کہ اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں۔ تو ہمیں کیا کرنا ہے؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو اس نبی کی بات سُن کے مان جائیں، اعتراض نہ کریں اُنکو بتا دو۔ کیا؟

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے۔

سبحان اللہ، بہت ہی پیاری آیت ہے کہ وہ لوگ جو مانیں گے، جنکو خوشخبریاں ملیں گی۔ جو نبیؐ کے کردار پر چھینٹے نہیں ڈالیں گے۔ جو اس دُنیا کو موج مستی کی جگہ سمجھے ہوئے تھے وہ پریشان ہو جائیں گے، اُنکو تو ڈراؤ، اُن کو آگاہ کر دو۔ لیکن جنکو پتہ لگ گیا کہ واقعی ہی طوفان آنے والا ہے، زلزلے آنے والے ہیں وہ اس دُنیا کو party time نہیں سمجھیں گے۔ وہ یہ نہیں کہیں گے کہ تم نے تو ہماری زندگی کا مزہ خراب کر دیا۔ کتنے مزے سے رہ رہے تھے، تم نے آکر یہ سب بتا دیا۔ ایسے لوگوں کو نبیؐ بتاتا ہے کہ لوگو! اصل زندگی یہاں کی نہیں بلکہ وہاں کی ہے۔

یہ لفظ قَدَمَ صِدۡقٍ کی مختلف تفاسیر کی گئیں۔ لفظ قَدَمَ تو وہی ہے جو اُردو میں قدم ہوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں "آپکے قدم مبارک" اس کے معنی آگے بڑھنا ہیں۔ لیکن "مرتبہ" کو بھی قدم کہتے ہیں۔ جیسے آگے کی طرف بڑھنے کے معنوں میں یہ چیز آتی ہے۔ اور صِدۡقَ کا لفظ سچائی کا ہے۔ اسکی جو مختلف تفاسیر کی گئیں پہلے آپ کے سامنے وہ رکھ دوں۔ مفسرین کے نام نہیں لے رہی کہ بوجھل پڑتا ہے۔

1۔ درجاتِ عالیہ (بلند درجے ملیں گے اُن کو)

2۔ اچھی جزا ملے گی۔ جو انکے اعمالِ حسنہ کے مطابق ہو گی۔

3۔ نبی کریمؐ کی شفاعت ملے گی

4۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جنت میں بھی اعلیٰ درجے دے گا۔

5 :Real status وہاں ملے گا جسے کوئی چھین نہیں سکے گا

دُنیا میں بھی آپ دیکھیں کہ لوگوں کو بہت کچھ ملتا ہے، لیکن چند دن کے بعد چھن جاتا ہے۔ اچھی نوکری ملی، اچھی گاڑی ملی۔ جیسے ہی نوکری گئی، سب ختم۔ دنیا میں انسان اپنا standard کتنا ہی کیوں نہ بُلند کرلے لیکن اس دنیا میں کچھ بھی ownership کی بنیاد پر نہیں ملتا۔ یہ وہاں ملے گا جہاں چھنے گا نہیں۔

پھر اسی طرح اسکی ایک اور تفسیر کی جاتی ہے "سچائی کا رُتبہ"۔ یہ انکو ملے گا جو لاِلٰہَ اِلا اللہ کو سچائی کے ساتھ پڑھیں گے۔ اعلیٰ مقامات ملیں گے۔ جھوٹا کلمہ نہیں ہو گا۔ سچے دل سے اسلام کو قبول کریں۔

كُنُ مَاَاَصَدِ قِین والی جنکی کیفیت ہو گی۔ سچے دل سے اسلام کی طرف چل پڑیں۔ اخلاص کے ساتھ دین کے طرف آئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جنت کے بُلند درجے پانے کے لیئے سچائی اور اخلاص چاہیئے۔ نیک عمل چاہیئے۔ صرف زُبان سے لا الہ اِلا اَللہ پڑھنا اور زبان سے اسکی گواہی نہ دینا جنت میں جانے کی کبھی بھی دلیل نہیں بن سکتا۔ علامہ اقبال کا ایک شعر بھی ہے کہ

خِرد نے کہہ بھی دیا لاالہ تو کیا حاصل۔ دِل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تو ہم کبھی بھی بچ بچا کے دنیا میں نہیں رہیں گے۔ اگر نیکی کی طرف قدم بڑھائیں گے تو ایمان سچائی کی طرف بڑھنے کے لیئے راستے اور آسان کر کے دِکھا دے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی انسان کو اللہ کی ذات کی معرفت ہو جائے اور وہ اللہ کے راستے سے پیچھے ہٹ جائے۔ یہ سچائی کیا ہے؟ "رب کو پانا، رب کو دیکھنا"۔ اس کائنات میں چلتے پھرتے اُس رب کو دیکھ لو۔ اُسکے آسمان کو دیکھو گے تو نیکیوں میں بڑھتے جاوٗ گے۔ جو اپنے خالق کو پالے وہ آرام سے کیسے بیٹھے گا؟ اگر کسی کو کوئی خزانہ ملے اور وہ کسی کو نہ بتانا چاہے تو اس کے چہرے سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی خوشی کی خبر ہے۔ بعض دفعہ کسی اچھے خاندان میں رشتہ ہو جاتا ہے، بتاتے نہیں لیکن لوگوں کے چہرے بتا رہے ہوتے ہیں کہ کوئی خوشی ہے۔ خوشی چھُپنے والی چیز نہیں ہے۔ کوئی کہیں پکڑا جائے گا کوئی کہیں۔ آپ کسی چیز کو پالیں، کوئی مسئلہ اُلجھا ہوا تھا اب سُلجھ گیا۔

آپ کو پتہ چل جائے تو آپ سے برداشت ہی نہیں ہو گا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی رب کی معرفت کو پالے، رب سے محبت ہو جائے تو اس کے بعد بندے کی زندگی میں فرق نہ پڑے۔ آگے ہم پڑھیں گے ایک جگہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس عزت کی بیٹھکوں میں وہ لوگ بیٹھے ہوں گے جو دنیا میں سچے

تھے۔ اپنے آپ کو چیک کریں، ہم کہاں ہیں؟ آج ہمارا حال کیا ہے؟ ہم اپنے رب سے بے خبر رہ کے، دور رہ کے دنیا کی بُلندیوں پہ بھی پہنچ جائیں، ہم چاند پہ بھی پہنچ جائیں، وہ عزت نہیں ملے گی۔ جیسے بچہ ماں سے دور ہو کے بلکتا ہے اسی طرح ہمارا نفس اللہ سے دور ہونے کی وجہ سے روتا ہے۔ ہم وہاں جائیں گے جہاں سے جانے کے بعد ہمیں کوئی نہیں روکے گا۔ آپ تصور کریں ایک پرندہ ہے۔ اسکا ایک سایہ ہوتا ہے۔ پرندے کو تصور کریں کہ وہ "آخرت" ہے اور اُسکا سایہ "دنیا" ہے۔ جو پرندے کو پکڑے گا وہ سائے کو بھی پالے گا۔ اصل بیوقوف شخص کون ہے جو سایہ پکڑنا چاہے۔ وہ سایہ پکڑے گا پرندہ اور آگے چلا جائے گا۔ آج جو لوگ سچائی کو چھوڑ کر جھوٹی دنیا کو پانے کے لیئے ہانپ رہے ہیں اور کانپ رہے ہیں۔ یقین کریں کہ ہانپنے کا لفظ چھوٹا لگتا ہے۔ آپ سحریوں کے وقت لوگوں کو کھانے سجاتا دیکھیں، آپ اندھیروں میں لوگوں کو گھر آتا دیکھیں، وہ اپنی دنیا سے بالکُل غافل ہیں، آرام سے غافل، سکون سے غافل، نیند کا وقت نہیں، کھانے کا وقت نہیں۔

اللہ کے راستے میں یہ سب ہو گا۔ لیکن اسکے بعد جو ملتا ہے وہ کتنی بڑی چیز ہے؛ اور جو اس جھوٹی دنیا کو پانے کی سچی کوششیں بھی کر رہا ہے وہ کتنا ناکام ہے۔ کتنا بیوقوف کہ ایک کمرے کو بڑا کرنے کے لئے سارا دن دھکا لگاتا رہے، یہ بڑا نہیں ہو گا۔ ہم اس دنیا کو جتنے مرضی دھکے لگا لیں، یہ دنیا بڑی نہیں ہو گی۔ یہ دنیا permanent نہیں ہے۔ اس سچی دنیا کو پانے کی کوشش کریں۔ تو لفظ قَدَمَ صِدۡقٍ کا معنی ہوا "نیک اعمال کی توفیق کا ملنا"۔ سارے معنی اس میں آ جائیں گے۔ جو دل سے سچا ہو جائے گا اللہ اُس سے بہترین کام کروائے گا۔ لیکن یہی بات جسکو اللہ سچائیاں کہتا ہے اُسکے جواب میں کافروں کا جملہ کیا تھا قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ‏

کہنے لگے یہ تو کھلا جادو گر ہے۔

یہ کس کو کہہ رہے ہیں؟ نبی کریمؐ کو۔ کہ ان کی باتیں بڑی خوبصورت لگتی ہیں۔ یہ ہم پہ جادہ کر رہے ہیں۔ یہ بڑی عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ رسول اور کتابوں کو آپ الگ نہیں کر سکتے۔ جیسے اُستاد اور کتاب دو الگ چیزیں نہیں ہوتیں۔ جو لوگ کتاب نہیں پڑھنا چاہتے وہ رسولؐ کو بدنام کرتے ہیں۔ اور جو اُستاد سے سیکھنا نہیں چاہتے وہ اُستاد کا بہانا کر دیتے ہیں۔ یہی کل ہوا، یہی آج کے دور میں ہو رہا ہے۔ رسول نے جب انکو آ کے بتایا کہ لوگو، یہ دنیا پارٹی ٹائم نہیں، یہ جھوٹی دنیا ہے تو انہوں نے کہا آو ذرا نبی کو جادو گر کہہ دیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کو ایسے لوگ آج بھی جادو گر لگتے ہیں۔ آپ سوچیں، اللہ کے نبی تبلیغ کر رہے ہیں "قُولُ لِااِلٰہَ الا اللہ۔۔۔۔۔ تو کوئی نیچے سے آواز لگاتا ہے کہ آپ جادو گر ہیں۔

کیا جادو گری دیکھی آپ نے۔ جادو کس بات کو کہتے تھے؟ کہ ان کی بات پر لوگ اتنی بڑی بڑی قربانیاں دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم اتنے لالچ دیتے ہیں لیکن ہمارے لالچ میں کوئی آتا ہی نہیں۔ ہم لوگوں کو اتنے ڈراوے دیتے ہیں لیکن لوگ ہم سے ڈرتے ہی نہیں۔ اب تو دھمکیاں دے دے کے ہم نے مزید دھمکیاں دیناہی چھوڑ دیا۔ اُنکو یہ تبدیلی لگتی تھی کہ لوگ کیوں اس طرح سر دھُنتے ہیں۔ آج بھی جو معرفت کے ساتھ قرآن سیکھتا ہے تو ساری دنیا کوشش کر کے چُپ ہو جاتی ہے کہ اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دیں۔ بس یہ نہیں رُکے گا۔ اب اس نے جانا ہے۔ اس نے کچھ کرنے کی ٹھان لی ہے۔ یہ چیز لوگوں کو جادو لگتی ہے۔ اس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جس پر جادو ہوتا ہے وہ کرنے

والے کے ہاتھوں میں آجاتا ہے۔ تو بالکل ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں اور دوسروں پر بھی جادو کر رہے ہیں۔

جادو سے کبھی کسی کی اتنی اچھی تربیت نہیں ہوئی جتنی اچھی تربیت قرآن اللہ کے نبیؐ کے ذریعے سے کرتا تھا۔ بدو کیسے مہذب بن گئے۔ یہ کیا جادو ہے؟ نہیں جادو اور نبوت میں بہت بڑا فرق ہے۔ کبھی کسی جادوگر نے آخرت سے ڈرایا۔ ہاں یہ نبی کیا کہتا ہے؟ یہ پیغام کیا ہے؟ یہ تمہارے رب کا تعارف کرواتا ہے۔ کیسے؟

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

لوگو! رب تو وہ ہے جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔

پچھلی آیت اور اس آیت میں کیا ربط ہے؟ کہ پچھلی آیت میں کتاب اور رسول کا ذکر تھا۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ لوگو، سوچ کے جُھٹلانا۔ وہ رب جس نے اس کتاب کو بھیجا اور جس نے اس رسولؐ کو بھیجا وہ کوئی چھوٹی ذات نہیں ہے۔ یہ شاہی پیغام ہے۔ یہ کوئی فقیری پیغام نہیں ہے کہ تمہارا دل چاہے تو لے لو نہ چاہے تو چھوڑ دو۔ یہ کوئی چھوٹے گھر کی دعوت نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے آئے جسکا دل چاہے نہ آئے۔ یہ فقیر کی صدا نہیں ہے۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے خالق اور مالک کا فرمان ہے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی کچھ نشانیاں بتائی جائیں گی کہ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (چھ دنوں میں)

یہ کیا تھے اسکی تفصیل آگے جا کے آئے گی تو وہاں دیکھیں گے۔ ہمارے لیئے ابھی کیا ہے۔ یُؤمِنُونَ بِالْغَیبِ بس مان جائیں۔ متشابہ آیت میں سے ہے۔ یہ وہ ہوتی ہیں جس میں ایسی بات کی جائے جس کا ہمیں آج نہیں پتہ۔ آجکل کے دن تھے، ایک ہزار کا دن تھا، پچاس ہزار سال کا دن تھا۔ یہ سب آگے آئیں گی جس کی ابھی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ اس سے ہمارا کوئی عملی تعلق نہیں ہے۔ پھر چھ دن کے بعد کیا کیا؟

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (پھر عرش پر قرار پکڑا) کیا کرتا ہے وہاں سے؟

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ (اپنے کاموں کی تدبیر کرتا ہے)۔ اس کائنات کو بنا کے کسی پیر بابے کے لیئے نہیں چھوڑ دیا۔ کی کسی بزرگ سے جا کے یہ بات منوالو، کوئی کام کروالو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ وہاں رہ کے بات منوارہا ہے، وہاں رہ کے حکم دیتا ہے۔

یہاں عرش کی بات آگئی۔ اب دیکھیئے کہ اللہ کی بات آگئی تو کہا تمہارا رب وہ ہے جس نے اس دنیا کو بنایا، سجایا، سنوارا اور اُس کے بعد عرش پہ جا کے بیٹھ گیا۔ عرش کی بات قرآنِ پاک میں تقریباً نو (9) دفعہ آتی ہے۔ اسکے بارے میں بھی پہلی بات یہ ہے کہ آسمانوں کے اوپر کوئی جگہ ہے۔ سورۃ البقرہ میں آیت الکرسی کی تفسیر میں ہم اس پہ بات کر چُکے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ کا عرش ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا "اللہ کا اقتدار"، "اللہ کی بادشاہت" تو ایسے باتوں میں امام مالک کا وہ جملہ یاد رکھیئے کہ "ایسے سوال کرنا بدعت ہے اور کہا کہ اگر آج کے بعد تم نے ایسے سوال یا ایسی بات پوچھی تو میں تمہیں اپنی محفل سے نکال دوں گا"۔ اس لحاظ یہاں ہمارے لیئے عمل کی بات کیا ہے کہ اللہ نے دنیا کے انتظامات کسی بزرگ کے ہاتھ میں نہیں دیئے۔ عربوں کی بات کر لیں یا آج کی بات کر لیں، جہاں بھی

شرک پھیلا وہ Creator God پہ نہیں پھیلا۔ لوگ اللہ کو خالق سمجھتے تھے، رب بھی سمجھتے تھے۔ کبھی کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ "ہُبل" نے آسمان بنایا، "لات" نے سمندر بنائے، "منات" نے پہاڑ بنائے۔ آج بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ "عبداللہ شاہ غازی" نے آسمان بنایا، "شاہ عبدالقادر جیلانی" نے دنیا کے سارے سمندر بنائے۔ ایک بات جو لوگ کہتے ہیں اُسی کا جواب اس میں ہے اُسی کو بتاکہ پھر آیت پہ جاتی ہوں۔ اور وہ بات کیا ہے؟

کہ اوپر ایک، نیچے بہت سارے۔ english میں اگر "God" لکھیں تو اس کا مطلب ہے "اللہ" اور اگر "god" لکھیں تو اسکا مطلب ہے "اُنکے بُت"۔ یہ فرق لوگوں کو سمجھ نہیں آیا۔ جو کسی بُت کو پوج رہا ہے تو وہ چلتے چلتے اللہ کو ماننے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سارے نظریات کو باطل کر دیا مشرکین کہتے تھے کہ یہ زمین کے سارے انتظامات ہمارے خُدا چلاتے ہیں۔ پھر یہ سارے کام جمع کر کے اسکی رپورٹنگ اللہ کو دیتے ہیں۔ اگر یہ سوچ آئے کہ زمیں کے معاملات چلانے میں دو خدا شامل ہیں تو یہاں مسلمانوں میں دو عقائد سامنے آتے ہیں

1۔ کہ یہ بزرگ کائنات کا نظام چلانے میں اللہ کے مددگار ہیں۔ جیسے کسی نے کہا نعوذُ باللہ کراچی کے سمندر کا پانی عبداللہ شاہ غازی نے روکا ہوا ہے۔ کیوں کہ وہاں انکا مزار ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو پتہ نہیں کیا ہوتا۔ پہلی چیز کیا کہتے ہے کہ بزرگ کچھ اختیار رکھتے ہیں۔ بیٹے، بیٹیاں دیتے ہیں۔

2۔ دوسرا consept یہ پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ یہ اللہ کے مددگار ہیں۔ نعوذُ بِاللہ تو اللہ مجبور ہے، اسی لئیے اللہ انکی موڑ نہیں سکتا۔ اللہ انکو ناراض نہیں کر سکتا۔ نتیجہ کیا ہوگا کہ کل جب اللہ ہمیں پکڑنے لگے گا تو ہم باباجی کو آگے کر دیں گے۔ اللہ نے اس عقیدے کی جڑ کاٹ دی کہ

مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ - کوئی سفارشی ہے ہی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

کوئی زندہ مردہ کچھ بھی نہیں۔ تمہارا کوئی ہے ہی نہیں۔ دیکھنا ہے وہ کون ہے جو یہ سارے کام کرتا ہے

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ وہ تمہارا اللہ ہے۔ رب ہے تمہارا

فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اسکی عبادت کرو

اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾ سمجھتے نہیں ہو، غور نہیں کرتے۔ اللہ کے بارے میں بدگمان ہو رہے ہو کہ اللہ نعوذُ بِاللہ پکڑ لیتا ہے تو "محمدؐ" جا کے چھڑا لیں گے۔ اللہ نے اتنی سخت شریعت دے دی۔ نبیؐ سفارشیں کرتا جائے گا اور تمہیں بچا لے گا۔ اور فلاں بابا جی یہ کر دیں گے۔ کسی کا یہ خیال نہ ہو۔ مان لو کہ اللہ ہی ہے جس کی عبادت کی جائے گی، اُسی کی طرف پلٹو، اس کی طرف دیکھو۔ آپ دیکھیں کہ مکی سورتوں میں آپکو توحید کی بہت بات ملے گی۔ اور جہاں توحید کی بات ہوتی ہے لوگ ناراض ہونے لگتے ہیں۔ تو کیا قرآن سے ناراض ہوں گے۔ اللہ نے اسلام کی بات بتا دی کہ اللہ کی ذات یہ ہے تم اُسکی عبادت کرو

اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ - (لوگو!) تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

بڑا پیارا انداز ہے۔ یہ نہیں کہا کہ تم سب کو مرنا ہے۔ کیوں کہ مرنے کا انکار کوئی نہیں کرتا تھا۔ کر ہی نہیں سکتے۔ کس چیز کا انکار کرتے تھے؟ "مَرۡجِعُكُمۡ" کا۔ آج بھی لوگ مرنے کا انکار نہیں کرتے بلکہ اللہ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ فرمایا مرنے کے بعد اُسکے سامنے پیش کیے جاؤ گے پھر تمہیں پتہ چل جائے گا:

اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ بیشک وہی پیدائش کی ابتداء کرتا ہے

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ؛ پھر وہی اسے دہرائے گا۔یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جیو گے۔سورت کے title میں میں نے جو آپکو چار شُبے لکھوائے تھے مکہ والوں کے یہ اُنہی کا جواب ہے۔کہ مرنے کے بعد ہم دوبارہ نہیں جی سکتے۔تو کہا کیسے نہیں جی سکتے۔پہلے پیدا ہوئے تھے تو اب دوبارہ بھی ہو جاؤ گے۔کیوں دوبارہ پیدا کرے گا؟

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ

تا کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، انصاف کے ساتھ جزا دے۔

دوبارہ کیوں پیدا کیا جائے گا؟ تا کہ جنہوں نے محنتیں کی ہیں اُنکو بدلہ ملے۔اور اسکے بر عکس

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ؛ اور جنہوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا وہ کھولتا ہوا پانی پئیں

وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ ؛ اور دردناک سزا بھگتیں۔کیوں؟

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ؛ اُس انکار حق کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے ﴿۴﴾

یہ کفر کرتے تھے۔کیا کفر تھا انکا؟

1۔اللہ کی توحید کا کفر۔اللہ کو مانتے تھے لیکن "توحید" کو نہیں مانتے تھے۔دونوں میں فرق ہے۔

2۔نبی کی بات کا مذاق اُڑاتے تھے۔اُنہیں جادو گر کہتے تھے۔

3۔قیامت کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونے کا کفر۔ایسے لوگ اللہ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔جو اللہ کی طرف پلٹنے کو نہیں مانتا وہ تیاری کیوں کرے۔

اور شیطان لوگوں کو ایک بہت بڑا دھوکہ دیتا ہے کہ تم اللہ کا نکار کر دو تا کہ اللہ تم سے پوچھے نہ۔ آخرت کا انکار کر دو تا کہ وہاں پہنچو نہ۔

آپ سوچیں کہ ایک طالب علم ہے وہ یہ کہے کہ میں امتحان کا انکار کرتا ہوں تو مُجھے ٹیسٹ نہیں دینا پڑے گا۔ تو یہ حماقت ہے۔ تو ان لوگوں کو اس دن پتہ لگے گا جس دن اللہ کے سامنے آئیں گے کہ وہ حق تھا، سچ تھا اور یہ جھوٹ ہے۔ لحاظہ اُسی کو مانو۔ اپنی باتیں اسکے مقابلے میں نہ لاؤ۔

اور یہاں بِالْقِسْطِ کا لفظ بتارہا ہے کہ اللہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرے گا۔ وہی ملے گا جو deserve کرے گا۔ اللہ اُسکا آدھا نمبر بھی نہیں کاٹے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے دین کی خدمت کے بہترین کام لے۔ آمین